© rasailojaraid.com

قانونِ کششِ ثقل

نیوٹن اور حکیم ناصر خسرو علوی

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۱۳-۲)

از جناب میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ ایبٹ آباد

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنی ہستی اور توحید اور بعث وغیرہ کے حق میں ایسی سیدھی سادی اور آسان دلیلیں پیش کی ہیں جن سے ایک ناخواندہ اور سادہ لوح اور جاہل انسان بھی مستفید ہو کر ایمان اور اطمینان کی نعمتوں سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ قرآن ان دلائل کو آیات (نشانیاں) کہتا ہے اور فی الواقعہ یہ دلائل ایسے نشان ہیں جنھیں دیکھ کر انسان آسانی سے منزلِ مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔

یہ آیات زیادہ تر مناظرِ قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ایسی نشانیاں جو ہر وقت ہمارے سامنے رہتی ہیں۔ اور جن کا وجود ہر وقت ہمارے دلوں اور دماغوں پر اثرانداز ہوتا رہتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے دریا، سمندر، بادل، ہوائیں، درخت، پودے، سبزہ، پھل، پھول اور چرند، پرند وغیرہ ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے تصور کے اندر رہتے ہیں۔ وہ کون انسان ہو گا جس نے روزانہ کسی نہ کسی وقت ان چیزوں کی ماہیت کیفیت اور ان کے تغیرات پر غور نہ کیا ہو گا۔ اور جس کا ذہن اس غور و فکر کے ضمن میں کسی حکیم و علیم اور قدیر و بصیر خالق و مالک کی طرف منتقل نہ ہوا ہو گا۔

خدا کی ان آیاتِ بینات پر ایک جاہل بھی غور کرتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق مستفیض ہوتا ہے اور ایک عالم حکیم اور فلسفی بھی ان نشانیوں میں گہری سوچ بچار کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ اپنے فکر کی گہرائیوں میں کھو بھی جاتا ہے۔ لیکن انہی گہرائیوں سے علم و حکمت اور معرفت کے انمول موتی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکال لانے میں گاہ بگاہ کامیاب ہوجاتا ہے۔

شرح السنت میں عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ "لہٗ ظہرٌ وبطنٌ" یعنی قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ قرآن کا ظاہر وہی ہے جس سے ایک سادہ مزاج ان پڑھ اور معمولی خواندہ آدمی فیض حاصل کرتا ہے۔ اور باطن وہی ہے جس سے ایک عالم اور حکیم علم وحکمت کے بیش بہا نکتے دریافت کرتا ہے۔

اسی طرح ترمذی اور دارمی نے حارث الاعور سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ھُوَالذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَھُوَالصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ ... وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ ... وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ" یعنی قرآن مجید حکمت والا ذکر ہے۔ سیدھا راستہ ہے۔ علم والے لوگ اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور اس کے عجائب کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے۔ مطلب یہ ہے کہ عوام کے لئے، قرآن مجید ایک سیدھی راہ ہے جس پر چل کر وہ منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہیں اور خواص کے لئے اس میں حکمت و معرفت کے اتنے بڑے خزانے ہیں کہ کبھی ختم نہیں ہوسکتے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے ہر صاحب بصیرت پر یہ امر روزِ روشن کی طرح روشن ہوجاتا ہے کہ اس کتاب کا صرف ایک بطن نہیں بلکہ بطن در بطن اور بطن در بطن در بطن دور تک چلے جاتے ہیں ایک آدمی اس کے ظاہر سے فیضیاب ہوتا ہے، دوسرا اس کے بطن سے تیسرا اس کے بطن در بطن سے اور چوتھا بطن در بطن در بطن سے اور اسی قیاس پر یہ بطون سلسلہ در سلسلہ غیر محدود بلندیوں اور نہایت گہرائیوں تک چلے جاتے ہیں۔

یقیناً یہ بات بارہا بار آپ کے تجربے میں آئی ہوگی کہ انسان قرآن مجید کی پے در پے تلاوتوں کے دوران میں ہر بار کوئی نہ کوئی نیا نکتہ دریافت کرلیتا ہے۔ ہم نے کئی دفعہ ایک آیت کو پڑھا ہوتا ہے لیکن جب پھر ہم اسی آیت کو پڑھتے ہیں تو ایک عجیب وغریب اور دلچسپ نئی بات ہمارے ذہن میں آجاتی ہے۔

مثلاً دیکھئے کہ قرآنِ کریم اختلاف اللیل والنہار کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں کہتا ہے اور اسی طرح جا بجا یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل کہہ کر خدا کی آیاتِ بینات کا ذکر کرتا ہے۔ ان آیات کا ظاہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہ ہے کہ ایک معمولی سے معمولی آدمی بھی دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ لیل ونہار کے یہ اختلافات کیا ہیں سورج نکلتا ہے۔ دوپہر ہوتی ہے، شام ہوتی ہے، سورج غروب ہوتا ہے، اندھیرا ہو جاتا ہے اور پھر صبح ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ ہمیشہ سے چل رہا ہے اور چلا جا رہا ہے۔ ان مناظر کے اوقات میں کبھی ایک لمحہ یا ایک لمحہ کے ہزارویں حصے کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ کبھی دن بڑھتے چلے جاتے ہیں اور راتیں گھٹتی چلی جاتی ہیں۔ اور کبھی اس کے برعکس راتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور دن گھٹتے چلے جاتے ہیں لیکن اس بڑھنے اور گھٹنے کے موسم اور اوقات ایسے منظم اور مرتب اور باضابطہ ہیں کہ ان پر غور کرتے ہوئے بے ساختہ اور ناخواستہ کسی حکیمِ قادرِ مطلق کا خیال دل میں آجاتا ہے۔

یہ تو ان آیات کا ظاہر تھا۔ لیکن طبیعیات اور ہیئت کے ایک طالب علم کو ان آیات میں ایک باطن بھی نظر آتا ہے وہ دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ دن اور رات کے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی بعض اختلافات اور اختلافات در اختلافات موجود ہیں۔ وہ اِن اختلافات میں خدا کی قدرت کی رنگا رنگ کرشمہ طرازیاں دیکھتا ہے اور ان میں غور و فکر کرتا ہے اور خداوند کریم کے عجیب و غریب ازلی اور ابدی قوانین سے روشناس ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ خطِ استوا کے تمام مقامات پر دن اور رات ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔ سال بھر روزانہ بارہ گھنٹے کا دن اور بارہ گھنٹے کی رات، نہ ایک سیکنڈ اِدھر اور نہ ایک لمحہ اُدھر، وہ دیکھتا ہے کہ مدراس میں بڑے سے بڑا دن ۱۲ گھنٹے ۵۲ منٹ کا اور چھوٹے سے چھوٹا دن ۱۱ گھنٹے ۱۸ منٹ کا ہوتا ہے۔
پشاور میں بڑے سے بڑا دن ۱۴ گھنٹے ۲۳ منٹ کا اور چھوٹے سے چھوٹا دن ۹ گھنٹے ۴۸ منٹ کا ہوتا ہے
پیٹروگراڈ میں بڑے سے بڑا دن ۱۸ گھنٹے ۴۶ منٹ کا اور چھوٹے سے چھوٹا دن ۵ گھنٹے ۴۴ منٹ کا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ اختلاف اور تفاوت بعض مقررہ اور کبھی نہ بدلنے والے قوانینِ الٰہی کے ماتحت ہو رہا ہے۔

پھر اس بطن کے اندر ایک اور بطن در بطن یہ کہ انہی خدائی قانونوں کے ماتحت قطبِ شمالی پر چھ ماہ کا دن ہوتا ہے اور چھ ماہ کی رات۔ اسی طرح قطبِ جنوبی پر بھی چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور جب قطبِ شمالی پر رات ہوتی ہے تو قطبِ جنوبی پر دن ہوتا ہے اور جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قطب شمالی پر دن ہوتا ہے تو قطبِ جنوبی پر رات ہوتی ہے۔ پس ہر ایک آدمی کے لئے اس کی استعداد کے مطابق اختلاف اللیل والنہار کی یہ آیات کئی بطون رکھتی ہیں۔

ایک اور مثال لیجئے۔ قرآن مجید میں انہی آیات اللہ میں سے خدا کی ایک نشانی اس طرح بیان ہوئی ہے

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً فَاَخْرَجْنَا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعے

بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى (۲۰-۵۳) اقسامِ مختلفہ کے نباتات پیدا کئے۔

اس نشانی کا ظاہر تو یہی ہے جو ترجمے سے ظاہر ہو رہا ہے، ہر کہ ومہ ہر خاص وعام، ہر عالم وجاہل اور ہر ناقص وکامل انسان وقتاً فوقتاً دیکھتا رہتا ہے کہ بادل اٹھتے ہیں اور بارش برستی ہے۔ خشک اور مردہ زمین میں پھر سے تازگی اور زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور قسم قسم کے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دیکھکر اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور یقیناً ان خیالات میں ایک خیال احسن الخالقین کے متعلق بھی ہوتا ہے۔ پس قدرت کا یہ منظر بھی خدا کی آیات میں سے ایک آیت ہے۔ لیکن یہ اس آیت کا ظاہر ہے اور فقط ظاہر۔ اس آیت میں ہم ازواج کا لفظ دیکھتے ہیں تو معاً ہمارا ذہن اس لفظ کے عام اور اصطلاحی معنیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن ہم ڈرتے ڈرتے اس آیت کا ترجمہ یونہی کرتے ہیں کہ "ہم نے مختلف قسموں کے نباتات پیدا کئے"۔

لیکن نباتات کا ایک طالب علم جب قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھتا ہے اور اس میں نباتات کے متعلق لفظ ازواج لکھا دیکھتا ہے تو علمِ نباتات کے عجیب وغریب حقائق اس کے سامنے آجاتے ہیں، وہ جانتا ہے کہ جس طرح انسانوں اور حیوانوں میں نر ومادہ ہوتے ہیں، اور ان کے جمع ہونے سے سلسلۂ تولید جاری ہوتا ہے۔ اسی طرح نباتات میں بھی نر ومادہ کے جوڑے (ازواج) ہوتے ہیں اور اسی طرح ان میں بھی تولید وتناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ نباتیات کی کوئی ٹکسٹ بک اٹھالیں۔ اور اس کی ورق گردانی کریں تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ نباتات میں بھی ازواج ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی اعضائے تولید موجود ہیں۔ نباتات کے انہی اعضائے تولید سے بیج پیدا ہوتا ہے۔ جن پھولوں میں نر اور مادہ دونوں اعضا موجود ہوتے ہیں۔ ان کو دو عضوی (یا دو جنسی) کہا جاتا ہے۔ جن تالنوں میں یہ اعضا مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھولوں میں ہوتے ہیں۔ یعنی ایک پھول میں عضوِ مذکر اور دوسرے پھول میں عضوِ مونث، ان پھولوں کو یک عضوی (یا یک جنسی) کہا جاتا ہے جس پھول میں عضوِ مذکر ہوتا ہے اُسے نر اور جس میں عضوِ مونث ہوتا ہے اسے مادہ کہتے ہیں۔ بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن پر نر اور مادہ دونوں پھول موجود ہوتے ہیں۔ بعض درخت اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ایک درخت پر نر پھول ہوتا ہے اور دوسرے درخت پر مادہ پھول۔ کھجور اور اسی نوع کے کئی اور درخت اسی آخری قسم کے درخت ہیں جن پھولوں میں عضوِ مذکر اور عضوِ مونث دونوں تباہ ہو گئے ہوں انھیں مخنث کہتے ہیں۔

نباتات میں تناسل کے کئی طریقے ہیں۔ لیکن سب سے اہم طریقہ وہ ہے جو تخم کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس طریقے سے نوع کی طاقت قائم رہتی ہے اور سلسلۂ تناسل بھی زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ اس طریقِ تناسل میں عملِ تولید کے تمام ضروری مراتب حیوانات کے عملِ تولید کے مراتب کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ تناسل کے اس جنسی طریقے میں اجزائے مذکر اور اجزائے مونث علیحدہ علیحدہ کوئی تولید نہیں کر سکتے۔ جب وہ جمع ہو جاتے ہیں تو تولید عمل میں آتی ہے۔

یہ آیتِ مذکورہ کا بطن ہے۔ اور اس بطن کے اندر کئی بطن در بطن ہیں۔ لیکن میں چونکہ علمِ نباتات سے بے بہرہ ہوں اس لئے افسوس ہے کہ میں ان بطون کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نباتی آیات کے انہی بطون کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

آیاتِ خداوندی میں سے جس آیت کے متعلق میں خاص طور سے لکھنے بیٹھا تھا اس کے متعلق ابھی تک میں نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ لیکن یہاں تک جو کچھ میں لکھ چکا ہوں وہ مضمونِ زیرِ کار کے تعارف کا کام ضرور دے گا۔ آیتِ زیبِ عنوان کو ایک دفعہ اور پڑھئے۔ اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا۔ بغیر ایک آدھ استثنا کے تمام مترجم اور مفسر اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) اللہ تو وہ ہے کہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کر کے تمہیں دکھا رکھا ہے۔

(۲) خدا آں است کہ برداشت آسمانہا را بے ستون مے بینید آنہارا۔

(۳) اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بن ستون دیکھتے ہو۔

(۴) خدا آں است کہ برداشت آسمانہا را بے ستونے وشما مے بینید آسمانہا را مرفوع بے ستون۔

(۵) یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انھیں تھامے ہوئے نہیں ہے۔

(۶) اللہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدون ستون کے اونچا کھڑا کر دیا چنانچہ تم ان کو دیکھ رہے ہو۔

(۷) اللہ وہ ذات ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے دیکھتے ہو تم اس کو۔

(۸) اللہ ایسا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بدون ستون کے اونچا کھڑا کر دیا۔ چنانچہ تم ان آسمانوں کو (اسی طرح) دیکھ رہے ہو۔

(۹) اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بغیر ستون دیکھتے ہو۔

ان ترجموں کا ماحصل یہ ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ خدا نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کھڑا کر رکھا ہے۔

اب اس آیت کا وہ ترجمہ دیکھئے جو میں نے مضمون کے عنوان پر لکھا ہے۔ اس ترجمے کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آسکیں۔ کھڑا کر رکھا ہے یعنی آسمان ایسے ستونوں پر کھڑے ہیں جو نظر نہیں آسکتے۔ ستون ہیں تو ضرور لیکن وہ غیر مرئی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ اس آیت کا کیا ہے وہ عام ترجموں سے الگ اور عنوانِ مضمون والے ترجمے کے نزدیک ہے۔ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ یہ ہے:۔

"خدا آں است کہ برداشت اسمانہا را بغیر ستون ہا کہ بہ بینید آں را"۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ستونہا کے بعد جو لفظِ "کہ" لگا دیا ہے۔ اس نے اس ترجمے کو تمام عام ترجموں سے الگ کر دیا۔ یہ ترجمہ مبنی ہے بعض روایات پر جن کا ابنِ کثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ ابنِ عباسؓ، مجاہدؒ، حسنؒ اور قتادہ کا قول ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے۔ ان ستونوں کے متعلق کہ وہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں بعض روایات میں عجیب وغریب قصے بیان ہوئے ہیں لیکن وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ البتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوائد السلوک میں ان ستونوں کے متعلق ایک بامعنی بات لکھی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "کہ حضرت باری تعالیٰ سقوفِ عالیہ وسطوحِ مرتفعہ سماوات را بے قائمہ کہ ادراک تواند نمود برافراشت وبے ستونے کہ مشاہدہ تواند فرمود بلند برداشت۔ یعنی ستونے ہست اما مخفی ہست وقائمہ موجود است ولیکن غیر مرئی ست و آن عدالت تواند بود کہ بالعدل قامت السماوات والارض۔ یعنی آسمان و زمین بعدل برپا ہستند۔"

فوائد السلوک کا یہ بیان کہ آسمان اور زمین عدل کے ستونوں پر قائم ہیں۔ بہت پُرمعنی ہے۔ اس مضمون میں یہ دکھانا مطلوب ہے کہ اِن عدل کے ستونوں کی حقیقت کیا ہے۔

اس حقیقت کا انکشاف حکیم ناصر خسرو علوی نے ایک نہایت دلچسپ اور حکیمانہ مقالے میں کیا ہے۔ جہاں تک اصول کا تعلق ہے حکیم صاحب کی تحقیق موجودہ یورپین نیچرل فلاسوفی کی تحقیق سے کسی صورت میں کم درجے پر نہیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ قانونِ کشش ثقل کی دریافت ہیں اولیت کا سہرا نیوٹن کے سر پر غلطی سے رکھا گیا ہے۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں۔

"اب ہم کہتے ہیں کہ تمام اجسام کی حرکت ایک جانب ہوتی ہے یعنی مرکزِ عالم کی جانب۔ لیکن یہ اجسام اپنی صورت کی وجہ سے جو انہیں ملی ہے۔ مرکزِ عالم سے دور اپنی اپنی حد پر اور اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہیں۔ وہ جسم جو صرف ایک ہی جانب حرکت کرتا ہو حالانکہ اور کئی جانبیں بھی اس کی حرکت کے لئے کھلی ہوں اور وہ کسی دوسری جانب حرکت نہ کرے تو پھر ظاہر ہے کہ وہ جسم اس حرکت پر مجبور ہے اور مقہور ہے اور کسی چیز پر قہر بغیر کسی قاہر کے نہیں ہوتا۔ پس اجسام اپنی حرکت میں مقہور ہیں۔ اور اس قول کی درستی پر دلیل یہ ہے کہ پتھر زمین پر ہی گرتا ہے اور اس کی حرکت صرف مرکزِ زمین ہی کی طرف ہوتی ہے اور کسی طرف وہ میل نہیں کرتا۔ حالانکہ تمام جانبیں اس پر کھلی ہیں وہ کسی اور طرف حرکت نہیں کرتا۔

زمین کا ہر ایک جزو زمین کے ہر دوسرے جزو کو جو اس کے اوپر ہے مرکزِ زمین تک پہنچنے سے روک رہا ہے۔ پس زمین کا ہر ایک جزو دوسرے جزو کے لئے ستون بنا ہوا ہے کہ اپنے سے اوپر والے جزو کو نیچے جانے سے روک رہا ہے۔ پس زمین کے تمام اجزا اس جزو نامتجزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر جو مرکزِ زمین میں ہے سہارا کئے کھڑے ہیں۔

طبیعی فلسفیوں کا یہ قول کہ ہوا ہلکی ہے اور مرکزِ عالم کی طرف نہیں بلکہ حاشیۂ عالم کی طرف جانا چاہتی ہے غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہوا بھی مرکزِ زمین کی طرف حرکت کرتی ہے۔ یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہوا بھی زمین پر پڑی ہے۔ ہوا کی وہ سطح جو زمین پر پڑی ہے۔ ہوا کی اوپر والی سطح کو نیچے آنے سے روکتی ہے۔ اگر ہوا کی اوپر والی سطح نیچے آجائے تو نیچے والی سطح کو اوپر دھکیل دیتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام کی تمام ہوا یہ ارادہ رکھتی ہے کہ زمین پر آجائے لیکن ہوا کے اجزا ایک دوسرے پر پڑے ہیں۔ اور نیچے والے اجزا اوپر والے اجزا کو نیچے آنے سے روک رہے ہیں جس طرح زمین کے وہ اجزا جو مرکزِ زمین کے نزدیک تر ہیں اپنے سے اوپر والے اجزا کو نیچے نہیں جانے دیتے۔

طبیعی کہتے ہیں کہ آگ (آتش۔ اثیر یا ایتھر) کے وہ اجزا جو اوپر والی سطح پر ہیں۔ مقہور نہیں ہیں اور دوسرے اجزا جو اس سطح کے اوپر ہیں آگ سے مقہور ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جہاں جسمِ کلی ہے۔ اور ان تمام اجسام کی رغبت مرکزِ عالم کی طرف ہے اور اثیر کی نیچے والی سطح کے اجزا مرکز کے نزدیک تر ہیں۔ انھوں نے ہوا پر تکیہ لگایا ہے اور اثیر کے ان اجزا کو جو ان سے اوپر ہیں نیچے آنے سے روک رہے ہیں۔ پس نچلی سطح سے اوپر جتنے اجزا ہیں تمام مقہور ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ تمام اجسام کی حرکت ان کی موجودہ صورت کے اندازے پر ہے۔ خاک اپنی صورت کی وجہ سے اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ مرکزِ عالم کے نزدیک تر ہو۔ پانی اپنی صورت کی وجہ سے خاک کے مقابلے میں مرکز کے نزدیک پہنچنے کی کم لیاقت رکھتا ہے اس لئے خاک اُسے مرکز کے نزدیک تر جانے سے روک رہی ہے۔ ہوا اپنی صورت کی وجہ سے بمقابلہ پانی کے بھی مرکز کے نزدیک جانے کی کم لیاقت رکھتی ہے۔ اس لئے پانی ہوا کو مرکز کے نزدیک تر ہونے سے روک رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جہاں کہیں زمین میں سوراخ ہوتا ہے وہاں ہوا جا پہنچتی ہے لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب پانی اس سوراخ میں جاتا ہے تو ہوا کو نکال کر اسے مرکزِ زمین سے دور تر پھینک دیتا ہے۔ اثیر ہوا سے بھی نالائق تر ہے۔ اس لئے ہوا اسے نیچے آنے سے روک رہی ہے۔"

یہاں تک ناصر خسرو نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اجسام (خاک، پانی، ہوا اور آگ یعنی اتھر یا اثیر) مرکزِ عالم (یعنی مرکزِ زمین) کی طرف جانا چاہتے ہیں، لیکن بعض کو نیچے جانے سے روک رہے ہیں۔ یعنی زیادہ طاقت والا جسم اپنے سے کم طاقت والے جسم کو پیچھے دھکیل کر خود اپنی منزلِ مقصود کے نزدیک تر ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں گویا بقائے اصلح کا قانون کار فرما ہے۔

آگے چل کر حکیم صاحب کہتے ہیں کہ

"وہ پتھر جو اوپر سے نیچے گرتا ہے اور ہوا کو چیرتا ہوا زمین پر آ رہتا ہے۔ اور وہ ہوا جسے گہرے پانی کی تہ میں آپ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ اور وہ پانی کو چیرتی ہوئی اوپر آرہتی ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کی حرکت میں ایک ہی اصول اور ایک ہی قانون عمل کر رہا ہے یعنی پتھر ہوا کو چیرتا ہوا مرکزِ زمین کی طرف جا رہا ہے اور پانی ہوا کو اوپر دھکیلتا ہوا خود مرکز کی طرف جا رہا ہے۔ فرض کرو کہ ہم زمین میں ایک سوراخ اتنا گہرا کھودتے ہیں جو مرکزِ زمین تک جا پہنچتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہوا اس سوراخ کی تہ تک جا پہنچے گی اس لئے طبیعی فلسفیوں کا یہ قول کہ ہوا حاشیۂ عالم کی طرف جانا چاہتی ہے غلط ہے۔

زمین کے مرکز کا نقطہ عالم کا مرکز ہے۔ اور یہی نقطہ تمام کائنات کا ستون ہے زمین کے وہ اجزا جو اس نقطے کے نزدیک تر ہیں اوپر والے اجزا کا ستون ہیں۔ زمین پانی کے لئے ستون کا کام کر رہی ہے اور اسے نیچے نہیں گرنے دیتی۔ پانی ہوا کا ستون بنا ہے اور اسے نیچے نہیں جانے دیتا۔ ہوا اثیر کے لئے ستون ہے اور اثیر کو نیچے آنے سے روک رہی ہے۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جسمِ کلی یعنی عالم کے تمام اجزا بیقرار ہیں اور مضطرب کیونکہ ہر وقت ان کے اندر مرکز تک جا پہنچنے کی رغبت کار فرما رہتی ہے لیکن وہ وہاں پہنچ نہیں سکتے صرف وہ ایک جزِ ناممتجزی جو مرکز کے نقطے پر ہے قرار میں ہے اور آرامیدہ ہے۔

©rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ہم کہتے ہیں کہ اجزائے خاک کا زمین کے تمام اطراف پر ایک دوسرے پر تکیہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاک کے تمام اجزا مرکز کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ اسی طرح پانی کا بلندی سے نشیب میں بہ کر جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پانی مرکزِ زمین کی طرف حرکت کرتا ہے اور ہوا کا زمین اور پانی کے گرد لگا رہنا بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ ہوا کا تکیہ بھی مرکزِ عالم پر ہے اور آگ (یعنی ایثر یا ایتھر) کا بصورتِ قبہ ہوا کے گرداگرد بندھے رہنا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایثر بھی مرکزِ عالم پر تکیہ لگائے ہوئے ہے۔

اسی طرح تمام افلاک بھی ان امہات کے گرداگرد قائم ہیں اور مرکز کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ جھکنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی مرکز کا قصد رکھتے ہیں لیکن یہ ستون جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ افلاک کو مرکز تک پہنچنے سے روک رہے ہیں۔"

یہاں تک حکیم صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس کو مختصر لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ مرکزِ زمین سے لے کر آسمانوں تک جتنے اجسام ہیں وہ ایک دوسرے کے لئے ستونوں کا کام کر رہے ہیں آگے چل کر حکیم صاحب افلاک کی حرکت کی وجہ بتاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ

"افلاک کی حرکت جو بصورتِ دائرہ ہے۔ صانعِ حکیم کی قدرت کا کرشمہ ہے، سکون کا مقام سوائے اس نقطہ وہمی کے جو مرکزِ زمین میں ہے۔ اور کہیں نہیں، عالم کے تمام اجسام اسی نقطۂ مرکز کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ یعنی سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اجزائے عالم کی تمام حرکات اسی سکون کی تلاش میں ہیں۔ پس جو چیز نقطۂ مرکز کے نزدیک تر ہے اس کی حرکت کمتر ہے اور جو چیز نقطے سے دور تر ہے اس کی حرکت بیشتر ہے اور فلکِ اعظم کہ جس کی حرکت تمام افلاک کی حرکت کا باعث ہے مرکزِ عالم سے دور تر مقام پر ہے اور جو چیز سکون کے خزانے (یعنی نقطۂ مرکز) سے دور تر ہوتی ہے وہ قطعاً سکون پذیر نہیں ہوتی اور جو چیز سکون سے محروم ہو وہ ہمیشہ متحرک رہتی ہے) جب یہ معلوم ہو گیا کہ تمام اجسام کی حرکت اس لئے ہوتی ہے کہ [illegible] مقام پر پہنچ جائیں تو پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افلاک کی حرکت بھی اسی سبب سے ہے۔ اس لئے ناچار آسمان معدنِ سکون کے گرد یعنی نقطۂ مرکز کے گرد گردش کرتا ہے ایک بیقرار بے آسائش گردش۔ آسمان کی یہ حرکتِ مستدیر اس لئے ہے کہ وہ مرکز پر پہنچنے کا راستہ ڈھونڈھ رہا ہے لیکن یہ ستون جو اس کے نیچے ہیں۔ اسے نیچے نہیں آنے دیتے۔ اور چونکہ یہ ستون لطیف ہیں اور ہم وار ہیں اور ان میں کوئی کمی بیشی نہیں۔ اس لئے آسمان کی حرکت مستدیر ہو جاتی ہے یعنی دائرے کی شکل (یا بیضوی شکل) اختیار کر لیتی ہے۔

اسی طرح حکیمِ مطلق کی تدبیر سے یہ عالم قائم ہے۔ اکثر آدمی اس حقیقت سے آشنا نہیں ہیں۔ اور ان ستونوں کو جو خداوند کریم نے اس قبۂ عظیم اور گنبدِ بلند کے نیچے کھڑے کئے ہیں۔ نہیں دیکھتے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ کہتا ہے۔ اللہ الذی رفع السموات بغیر عمدٍ ترونھا۔"

ناصر خسرو کے ان بیانات کو سامنے رکھکر نیوٹن اور سیب کے درخت والی کہانی کو یاد کیجئے دنیا بھر میں یہ کہانی مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز نیوٹن نے سیب کے ایک درخت سے سیب گرتا دیکھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ جب یہ سیب شاخ سے علیحدہ ہوا، تو اس کے لئے شش جہات میں سینکڑوں رستے کھلے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ اس نے اور کوئی رستہ اختیار نہیں کیا سیدھا بخطِ مستقیم زمین پر آ پہنچا۔ کہتے ہیں کہ اس خیال نے نیوٹن کے دل میں اتنی گہری جگہ بنالی کہ وہ دن رات اسی سوچ میں لگ گیا۔ اور آخر کار اس نے کششِ ثقل کا راز دریافت کر لیا۔ یہ سنہ ۱۶۶۶ء کی بات ہے جبکہ نیوٹن چوبیس سال کا تھا سیب کا یہ درخت سنہ ۱۸۲۰ء تک کھڑا رہا۔ جب کہ بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے وہ کاٹ لیا گیا اور اس کی لکڑی بڑی احتیاط سے محفوظ رکھ لی گئی۔

نیوٹن انگلستان کا مشہور ریاضی دان منجم اور فلاسفر تھا۔ وہ سنہ ۱۶۴۳ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۲۷ء میں فوت ہوا۔ ناصر خسرو علوی سنہ ۱۰۰۰ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۰۶۰ء میں فوت ہوا۔ کششِ ثقل کا قانون جو کہا جاتا ہے کہ نیوٹن نے دریافت کیا۔ فی الواقع نیوٹن سے [illegible] سال پہلے پوری طرح سے دریافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا بلکہ اپنی ابتدائی صورت میں حکیم صاحب سے بھی پہلے کا دریافت شدہ تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس قانون کے متعلق نیوٹن نے مزید بہت سی مفید اور ضروری معلومات
کیں۔ اور اس قانون کے متعلق تجربی اور حسابی اندازے معین کئے۔ لیکن جہاں تک اصول کا
ہے حکیم ناصر خسرو نے قانون کشش ثقل کو بتمامہ منضبط کر لیا تھا۔ نیوٹن کی اور اس کے بعد
تحقیقات نے اس قانون کو ایک باضابطہ سائنس کی صورت میں مرتب کر لیا ہے۔ ذیل میں اس قانون
موجودہ معلومات جو ہمارے مضمون کے متعلق ہو سکتی ہیں اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) زمین کی سطح سے اوپر کسی نقطے سے اگر کوئی چیز گرائی جائے تو وہ بخطِ مستقیم زمین کے مرکز
رخ پر زمین پر گر جاتی ہے۔

(۲) کششِ ثقل کے عمل سے ہر ایک جسم ہر دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے خواہ وہ جسم
چیز کا بنا ہو۔

(۳) اس کشش کا ظاہری اثر اسی صورت میں نظر آتا ہے کہ ان دو کھینچنے والے جسموں میں سے ایک
بڑا ہو، مثلاً کرۂ زمین اور دوسرا بعید چھوٹا ہو مثلاً پتھر کا ٹکڑا۔

(۴) کارک کا ایک ٹکڑا اور سیسے کی ایک گولی اگر ایک ہی بلندی سے ایک ہی وقت گرائی جائیں تو یہ
چیزیں ایک ہی وقت زمین پر پہنچیں گی۔

(۵) ہر ایک سیارہ (بشمولِ زمین) سورج کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ لیکن کشش کی طاقت فاصلے کے
کی نسبت سے معکوس ہوگی۔ یعنی اگر فاصلہ تین گنا ہو تو کشش کی طاقت $\frac{1}{9}$ حصہ رہ جائے گی۔ اسی
کھینچنے والے جسم کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی کشش کی طاقت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

(۶) سورج چاند زمین، سیارے اور ستارے سب ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔

(۷) چاند، زمین کے مرکز کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ اور اسی لئے وہ زمین کے گرد چکر لگاتا رہتا
کششِ ثقل کی وجہ سے چاند ہمیشہ اپنے مدار پر قائم رہتا ہے۔ اور زمین سے ہمیشہ ایک ہی فاصلے
رہتا ہے۔ زمین پر آ نہیں گرتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ زمین اور نظامِ شمسی کے دوسرے سیارے سورج کے مرکز کی طرف کھینچے جاتے ہیں اس
وہ سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اور کششِ ثقل کی وجہ سے ہمیشہ اپنے اپنے مدار پر قائم رہتے ہیں
سورج پر نہیں جا گرتے۔ (وہی بات ہے کہ اگر طالب کی رسائی اپنے مطلوب کے گھر تک نہ ہو سکے تو
اس کے گھر کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے)

بیاناتِ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ سماوات اور افلاک یا بالفاظِ دیگر اجرامِ سماویہ سورج، چ
ستارے سیارے اور زمین وغیرہ سب کے سب قانونِ کششِ ثقل کی وجہ سے اپنے اپنے مقام او
اپنے مدار پر قائم ہیں۔ اور ان کی حرکات بھی اسی قانون کے تحت ہیں۔ یہی جذب و انجذاب جو ہر ایک جسم
مختلف اطراف سے عمل کر رہا ہے۔ اجسام کو اپنی اپنی جگہ پر قائم رکھتا ہے۔ اگر کششِ ثقل کا یہ قانون
نہ ہو تو چاند زمین پر آ گرے۔ زمین سورج پر جا گرے اور سورج کسی اور چیز پر جا گرے۔ اور تمام نظام
درہم برہم ہو کر تباہ ہو جائے۔

وہ کون انسان ہو گا۔ جو ان چیزوں پر غور کرے اور یہ چیزیں اس کے لئے خداوند علیم و حکی
قدیر و خبیر کی نشانیوں کا کام نہ دیں۔

ان اللہ یمسک السموات والارض — اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو روکتا ہے کہ وہ اپنے رستہ
ان تزولا۔ ولئن زالتا ان امسکھما من — سے ہٹ نہ جائیں، اور اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے
احد من بعدہ۔ انہ کان حلیما غفورا (۳۵-۴۱) بعد کوئی انھیں روک نہیں سکتا)

اس آیت سے ایک اور نہایت دلچسپ اور پر لطف نکتہ نکلتا ہے۔ آیتِ عنوان سے تو ص
یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورج چاند اور ستارے غیر مرئی ستونوں پر قائم ہیں اور نیچے نہیں گرتے۔ لیکن ان
یمسک والی آیت میں زمین بھی شامل ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین بھی انہی غیر مرئی ستونوں
قائم ہے اور اس لئے سورج پر نہیں جا گرتی۔ جیسا کہ قانونِ کششِ ثقل کے متعلق موجودہ زمانے کی نئ
سے ثابت ہوتا ہے۔

آیتِ زیبِ عنوان کا ظاہری ... یہ اس کا باطن تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے اندر ابھی اور کتنے بطن پوشیدہ ہیں. ممکن ہے کہ علوم کی روز افزوں ترقی آنے والے زمانہ میں اس ے اور بطون کا بھی انکشاف کرے۔

عربیت میں اپنی کم سوادی کا مجھے پورا پورا احساس ہے۔ اس لئے اس معاملے میں میری رائے ی وقعت کی مستحق نہیں۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ لڑکپن سے لیکر آج تک سرسری تلاوت کے دوران ب کبھی میں نے اس آیت کو پڑھا۔ میں نے اس کا یہی مطلب سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو غیر مرئی ں پر قائم کر رکھا ہے۔ کبھی ایک دفعہ بھی میرا ذہن دوسری طرف نہیں گیا۔ پانچ چار روز کی بات ہے کہ یں نے اس مضمون پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو از روئے احتیاط ایک ترجمے والے قرآن مجید سے اس آیت بہ پڑھا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب میں نے یہ معلوم کیا کہ ترونہا کا مطلب تو کچھ اور ہی ہے ترجمہ دیکھا، تیسرا دیکھا اور اسی طرح کئی ترجمے دیکھے، سب میرے خیال کی تردید کر رہے تھے۔ تسلی ی تو اور ترجمے اور تفسیریں دیکھنی شروع کیں، بالآخر معلوم ہوا کہ میرا خیال بالکل بے بنیاد نہ تھا۔

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے (اور ممکن ہے کہ میرا یہ خیال بالکل غلط ہو) کہ عام مترجم اور مفسر رئی ستونوں والی بات کو بعید از قیاس سمجھ کر دوسرا ترجمہ کرنے پر مجبور ہوئے، چنانچہ ان میں سے ں نے تو ان ستونوں والی روایت کی بالفاظ صریح تردید بھی کر دی چنانچہ ایک مفسر لکھتے ہیں کہ

"خدا نے اپنی قدرت محضہ سے بے کسی ستون کے آسمانوں کو اوپر اٹھا رکھا ہے جو ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے موجود ہیں۔
بعض مفسر اس جملہ کے یہ معنی بھی بیان کرتے ہیں کہ اس نے تمہارے دیکھنے میں بے ستون آسمان اونچے کئے۔ یعنی آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر نظر نہیں آتے اور بعض تفسیروں میں اگرچہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے یوں معنی بیان کئے گئے ہیں کہ قاف پہاڑ پر ایک لمبا ستون ہے جس پر آسمان اس طرح قائم ہیں جس طرح خیمہ چوب پر کھڑا کیا جاتا ہے مگر وہ ستون اہل دنیا کو نظر نہیں پڑتا۔
لیکن حدیث شریف کے رو سے نیز مناسبت مقام سے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ تمہاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنکھوں دیکھنے کی بات ہے کہ خدا نے آسمانوں کو بیرونی کسی ستون اور ٹیک کے اتنا اونچا بلند کر رکھا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی ستون ہوتا تو آخر تمہیں نظر ہی آتا۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس وغیرہ کو اس آیت کے کسی دوسرے ترجمے کی گنجائش ہی نظر نہ آئی۔ اس لئے وہ کوہِ قاف والی تعبیر پر مجبور ہوئے۔ جس طرح دوسرے مفسر غیر مرئی ستونوں والی بات کو غیر ممکن سمجھ کر دوسرے ترجمے پر مجبور ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ موجودہ زمانے کے مترجمین و مفسرین میں سے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولوی محمد علی لاہوری نے اس آیت کی تفسیر میں قانونِ کشش ثقل کی طرف صریح اشارے کئے ہیں۔

نوٹ:۔ قانونِ کشش ثقل کی تحقیق کے سلسلے میں ایک دلچسپ لطیفہ قابلِ ذکر ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ کششِ ثقل کشش کرنے والے جسم کے مرکز کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً کششِ ثقلِ ارضی میں کرہ ارض کا ہر جزو اور کرہ ارضی کے مضافات کی تمام چیزیں زمین کے مرکز کی طرف کھنچی جاتی ہیں۔ گویا زمین کا وہ جزو جو زمین کے مرکز پر ہے۔ باقی تمام اجزاء و اجسام کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ حالانکہ عملی طور سے بہت بڑے جسم والی چیز بہت چھوٹے جسم والی چیز کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

مرکزِ زمین ایک نقطہ ہے۔ ایک وہمی نقطہ، جس کا نہ عرض ہے نہ طول نہ گہرائی۔ حکیم ناصر خسرو کہتے ہیں کہ اس نقطے میں خاک کے ایک جزوِ نامتجزی (یعنی ایک ایٹم یا اس سے بھی کمتر) کے سوا اور کسی کی گنجائش ہی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خاک کا وہ جزوِ نامتجزی یعنی وہ حقیر ناچیز موہوم (یا معدوم) جزو جو نقطۂ مرکز پر ہے۔ جہاں بھر کے تمام جسیم جسموں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ حکیم صاحب اس مشکل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس جزوِ نامتجزی کا کارنامہ نہیں بلکہ کسی قاہر کا قہر ہے یعنی خدا کا حکم ہے جو ہر جسم کو اس نقطۂ مرکز کی طرف کھینچ رہا ہے۔

یہی مشکل نیوٹن کے ذہن میں بھی آئی۔ دیکھئے اس نے اس مشکل کو کس طرح حل کیا۔ وہ کہتا ہے کہ "کسی کرہ کی کشش بیرونی اجسام پر اس طرح عمل کرتی ہے گویا اس کرے کا کل مادہ مرکز پر جمع ہے۔" نیوٹن نے کرۂ ارضی کے تمام مادے کو مرکز کے نقطۂ موہوم پر جمع کر دیا۔ لیکن قہرِ قاہر کی طرف اس کا ذہن منتقل نہ ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان فلسفی اور ایک یورپین فلسفی کی ذہنیتوں میں کتنا فرق ہے۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔

یورپ کے علماء و فضلاء سوائے الہیات کی کتابوں کے اور کسی علم و فن کی کتاب میں خدا کا نام تک نہیں لیتے۔ برعکس اس کے حکیم ناصر خسرو اپنے تمام فلسفیانہ مقالات میں خواہ وہ طبیعیات کے متعلق ہوں۔ یا مابعد الطبیعیات کے متعلق، جا بجا اور موقعہ بموقعہ قرآنِ کریم کی آیات کو اپنے نظریات کی تائید میں بطور سند پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔

ہم لوگ اگر حکیم صاحب کی طرح علوم جدیدہ کے قطعی اور یقینی اصولوں کی روشنی میں قرآن مجید کی آیات پر غور کیا کریں تو یقین ہے کہ آیاتِ الہیہ کے بطون اور بطون در بطون کے متعلق روزانہ نئے نئے انکشافات ہوتے رہا کریں البتہ اس کے لئے قرآنِ کریم کے مسلسل اور متواتر مطالعہ کی ضرورت ہے۔

ما طفلِ کم سواد و سبق قصہ ہائے دوست
صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

© rasailojaraid.com